نکولائی میکیا ویلی

۱۴۶۹ — ۱۵۲۷ء

ڈبلیو۔ ٹی جونز
جناب ممتاز احمد

سیاسی فلسفہ

انسانی فطرت کا تصور

سیاسیات کے بارے میں ہر بحث سے پہلے دو سوالوں کا جواب دینا لازمی ہوتا ہے — انسانی فطرت کے امکانات اور اس کی حدود کیا ہیں؟ ہمارا تصور انسان ہی اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ انسان کس قسم کی حکومت کا مستحق ہے اور کس قسم کی حکومت وہ چلا سکتا ہے۔ اوپر کے صفحات میں ہم نے 'ریبنے ساں' کے دور کا تصور انسان وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ 'میکیا ویلی' نے اپنی کتب میں کہیں بھی اس تفصیل کے ساتھ انسانی نفسیات پر بحث نہیں کی جس تفصیل کے ساتھ بعد میں مثلاً ہابس نے کی ہے لیکن بعض افراد کے بارے میں جگہ جگہ میکیا ویلی نے جو رائے دی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے عہد کے اس تصور سے متفق تھا جس میں انسانی فطرت کے تاریک پہلو کو اجاگر کیا جاتا تھا۔

میکیا ویلی نے انسانی فطرت کا جو تصور قائم کیا تھا اس کا ثبوت اس کے ہم عصر، بادشاہ سیزر بورجیا اور دوسرے اطالوی بادشاہوں کی شخصیت میں بھی ملتا ہے جن کے

کردار کا اس نے بغور مطالعہ کیا ہے۔

سب سے پہلے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ میکیا ویلی کے نزدیک انسانی اعمال کا بنیادی محرک کیا ہے؟ — آدمی آخر چاہتا کیا ہے؟ اس سوال کا جواب نہ صرف اس بات کا فیصلہ کر دے گا کہ ریاست کی کونسی شکل ممکن ہے بلکہ یہ بھی طے ہو جائے گا کہ کسی بادشاہ کو اپنے آپ کو اقتدار پر برقرار رکھنے کے لئے کس پالیسی پر عمل کرنا چاہیئے۔

آئیڈیل صورت یہ ہے کہ انسان کو اپنے مفادات کا — جو اس کے اعمال کا محرک ہیں — نہایت محتاط، معروضی اور پرسکون طریقے سے جائزہ لینا چاہیئے۔ بجائے اس کے کہ آدمی، جو بھی ضرورت سامنے آجائے، تو اُسے اختیار کر لے اور وقتی اور عارضی مفادات کو اپنے اعمال کی بنیاد بنالے، اسے چاہیئے کہ نہایت ٹھنڈے طریقے سے پوری صورت حال کا جائزہ لے اور اس کے بعد یہ فیصلہ کرے کہ ان حالات میں اس کے لئے کون سی چیز مستقل طور پر مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

لیکن کسی شخص کے لئے یہ فیصلہ کرنا آسان بھی نہیں ہے کہ اس کا بہترین مفاد کیا ہے؟ بیشتر انسان غبی اور کم عقل ہوتے ہیں:

"لوگ اکثر ایک موہوم بہتری کی امید میں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور خود اپنے لئے تباہی مول لیتے ہیں..... دراصل جب تک لوگوں کو اپنے سے اعلیٰ تر افراد کی رہنمائی حاصل نہ ہوگی وہ اس طرح کی خلاف عقل باتیں کرتے ہی رہیں گے۔ لیکن چونکہ بد اطوار اور بگڑی ہوئی جمہوری حکومتوں میں اعلیٰ تر افراد سے بالخصوص زمانۂ امن میں حسد اور حبِّ جاہ کی وجہ سے عموماً نفرت کی جاتی ہے اس لئے ایسے حالات میں ترجیح عوام کی غلط رائے ہی کو حاصل ہو جاتی ہے یا ایسے افراد کی باتیں پسند کی جاتی ہیں جو عوام کی مستقل فلاح و بہبود سے زیادہ ان کی وقتی خوشی کا خیال رکھتے ہیں"

مختصر یہ کہ میکیا ویلی کے نزدیک آدمی مفادات کے تعین میں بھی جذباتیت کا شکار ہو جاتا ہے اور یہ چیز ایسے اعمال کا باعث بنتی ہے جو خالص خود غرضی اور ذاتی مفادات کے

نقطۂ نظر سے بھی اکثر و بیشتر غلط اور غیر مفید ثابت ہوتے ہیں۔ اصل میں دو محرکات ہیں جو انسانی طرز عمل کو متعین کرتے ہیں، ان میں سے ایک تو یہ ہے ——

"جدّت پسندی جو خوش حال اور بدحالی دونوں طرح کے لوگوں میں پائی جاتی ہے کیونکہ آدمی غربت کی طرح امارت میں بھی زیادہ دیر تک مطمئن نہیں رہ سکتا۔ یہ تبدیلی کی خواہش اور جدت پسندی دراصل ہر اس شخص کے آگے بڑھنے میں مدد و معاون ثابت ہوسکتی ہے جو کسی ملک میں کوئی نئی اختراع نکال سکتا ہو۔ اگر وہ شخص غیر ملکی ہے تو لوگ اس کے پیچھے پڑ جائیں گے لیکن اگر وہ ان کا ہم وطن ہے تو لوگ اس کے گرد اکٹھے ہو جائیں گے، اس کا اثر و رسوخ بڑھے گا اور ہر طرح سے اس کی خاطرداری کی جائے گی۔ اب خواہ اس کا طرز عمل اور چال چلن کیسا ہی کیوں نہ ہو اسے ترقی کے راستے پر جلد آگے بڑھنے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اب دو بنیادی محرکات اور بھی ہیں جو انسان کے طرز عمل کو متعین کرتے ہیں —— محبت اور خوف، یعنی جس شخص سے عوام محبت کرتے ہیں اس کا بھی اثر و رسوخ اتنا ہی ہوگا جتنا کہ اس شخص کا جس سے کہ عوام خوف کھاتے ہیں۔ گو لوگوں کے دلوں میں اطاعت اور تابعداری کا داعیہ دوسرے شخص کے لئے زیادہ ہوگا اور پہلے کے لئے کم"

ان محرکات کے علاوہ دولت کی محبت، حسد اور حبِ جاہ بھی طاقتور عوامل ہیں جو انسانی طرز عمل کو متعین کرتے ہیں۔ پھر آدمی آزادی کا بھی خواہش مند ہے۔ آدمی چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کا محتاج نہ ہو، اپنی زندگی اپنی مرضی کے مطابق بسر کرے اور کوئی دوسرا شخص اس پر پابندی عاید کرنے والا نہ ہو اب چونکہ اپنے آپ کو آزاد اور خودمختار بنانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ دوسروں کو اپنا پابند اور محتاج بنایا جائے، اس لئے غلبہ پانے کی خواہش بھی رکھتے ہیں۔ پس فرد اور ریاست کے درمیان کشمکش ناگزیر ہے:

"انسان کی ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو کوئی اور خواہش اس کے سامنے آجاتی ہے۔ پہلے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ دوسروں کے حملے سے محفوظ رہے

اور پھر جب یہ خواہش پوری ہو جاتی ہے تو وہ دوسروں پر حملہ آور ہو جاتا ہے"

میکیاویلی TITUS LIVIUS کے حوالہ سے اس کی توجیہ یوں کرتا ہے کہ لوگ خوف سے بچنے کے لئے دوسروں کو خوف زدہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جن زخموں سے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں، وہ زخم وہ دوسروں کو لگا دیتے ہیں — گویا دونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب ناگزیر ہے یا ظلم کرو ورنہ مظلوم بنو!

ظاہر ہے کہ میکیاویلی نے انسانی فطرت کی جو تصویر کھینچی ہے، وہ کوئی خوشگوار تصویر نہیں ہے۔ گو میکیاویلی کا خیال ہے کہ ماضی میں، جس کی طرف اس کی نگاہیں بڑے احترام سے اٹھتی ہیں، ایک عام آدمی میں بھی مضبوطی اور دلیری کے ساتھ ساتھ اعتدال اور توازن کی خصوصیات پائی جاتی تھیں اور اس طرح اس زمانے میں لوگ اپنے اوپر خود حکومت کرنے کے اہل تھے — برعکس اس کے اب لوگ اس حد تک تنزل، پستی اور ذلت کو پہنچ چکے ہیں کہ جمہوریتوں کا قیام ناممکن ہو گیا ہے اور اگر جمہوری حکومتیں قائم کرنے کی کوشش کی گئی تو زبردست ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا اس دور میں اب ایک ہی حکومت عملاً ممکن ہے اور وہ ہے بادشاہت، جس میں ایک فرد واحد آہنی قوت کے ساتھ حکومت کرے۔ چنانچہ میکیاویلی کے نزدیک اس دور کے لئے مطلق العنانیت ہی مؤثر ترین نظام حکومت تھی:

"امن و امان اور نظم قائم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ بادشاہت قائم کر دی جائے، جہاں لوگوں کی اکثریت اس حد تک بدخصلت ہو چکی ہو کہ قوانین بھی اُن کے سامنے بے بس ہوں، وہاں یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ کوئی اعلیٰ تر فرد مکمل اور مطلق اختیارات کے ساتھ ان پر حکومت کرے تاکہ معاشرے کے طاقت ور افراد کی بڑھتی ہوئی خواہشات اور ان کے بگاڑ کو روکا جا سکے"

میکیاویلی DISCOURSES میں بار بار اپنے عہد کے لوگوں کی پستی اور زمانۂ قدیم

کے لوگوں کی فضیلت اور اچھائی کے گن گاتا ہے اور اس بات پر زور دیتا ہے کہ وقت اور حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ نہایت سخت اقدامات کئے جائیں۔ لیکن جمہوری حکومتوں کے فوائد بھی اُس کے پیش نظر رہتے ہیں۔ ایک مقام پر وہ یونانیوں اور رومیوں کی عظمت اور ترقی کی تعریف کرنے کے بعد کہتا ہے:

"ریاستوں کو عظیم بنانے والی چیز کسی ایک فرد کی خوش حالی نہیں بلکہ عام فلاح و بہبود ہوتی ہے اور یقیناً عام فلاح و بہبود کا خیال سوائے جمہوری حکومتوں کے اور کسی حکومت میں نہیں رکھا جاتا۔"

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ میکیاآویلی کو بادشاہت پسند یا شاہ پرست کہنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کے نزدیک فرد واحد کی حکومت بہترین حکومت نہیں برعکس اس کے میکیاویلی عوام کی حکومت کو فرد واحد کی حکومت سے بہتر قرار دیتا ہے:

"عوام کے کردار کو بادشاہوں کے کردار سے کچھ زیادہ الزام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ جب تک کنٹرول نہ ہوگا دونوں کی غلطی کے مساوی امکانات موجود رہیں گے۔ میں رومی اور دیگر شہنشاہوں اور بادشاہوں کی متعدد مثالیں پیش کر سکتا ہوں جنہوں نے اسی طرح تلوّن مزاجی عدم استقلال اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا ہے جس طرح کہ عوام کے بارے میں سمجھا جاتا ہے۔ مجھے اس بات سے بھی اتفاق نہیں ہے کہ عوام کی حکومت زیادہ غیر مستحکم، بے اصول اور صبر آزما ہوتی ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بالکل یہی خصوصیات بادشاہوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان باتوں کا الزام اگر بادشاہ اور عوام دونوں کو دیا جائے، تب تو بات صحیح ہوگی، لیکن بادشاہوں کو اس سے مستثنیٰ کر دینا ایک بہت بڑی غلطی ہوگی۔ اگر عوام کی اپنی حکومت ہو اور وہ قانون کی پابندی کرتے ہوں تو میری رائے میں وہ ایک دانا بادشاہ سے بھی زیادہ زیرک، مصلحت اندیش محتاط اور مستقل مزاج ثابت ہوں گے۔ برعکس اس کے ایک بادشاہ جو کسی قانون کی پابندی اپنے اوپر ضروری نہ سمجھتا ہو، ایسے حالات میں عوام سے بھی

زیادہ متلون مزاج اور ناعاقبت اندیش ثابت ہوگا"

لیکن میکیاویلی کی یہ ساری تعریفیں زمانۂ قدیم کے لوگوں کے لئے ہی ہیں۔ اب اگر قاری یہاں یہ پوچھنا چاہے کہ انسانی فطرت میں یہ غیر معمولی تبدیلی کیونکر آئی تو میکیاویلی کے پاس اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ زمانۂ قدیم کی "نیکی" سے لے کر زمانۂ حال کی "بدی" تک کوئی بڑی تبدیلی واقع ہی نہیں ہوئی۔ میکیاویلی نے جہاں زمانۂ قدیم سے اپنی دوری کی بنا، پر اس دور کی نیکیاں بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے وہاں زمانۂ حال سے اپنے قرب کی وجہ سے اس کی برائیوں کو بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔

میکیاویلی کے پاس اس کا ایک ہی جواب ہے — اور وہ یہ کہ وہ سارا الزام چرچ کو دے دیتا ہے، اس میں شک نہیں کہ میکیاویلی کے زمانے میں اٹلی میں جو حالات پائے جاتے تھے ان کے پیدا کرنے میں چرچ کا بھی ہاتھ تھا۔ لیکن میکیاویلی جب چرچ پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کا مقصد اپنے ہمعصر دور کی برائیوں کا منبع تلاش کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس حملے کا اصل محرک اس کے جدید ذہن کی چرچ دشمنی ہوتی ہے:

"اب ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ موجودہ کی نسبت زمانۂ قدیم میں لوگ کیوں زیادہ آزادی پسند ہوتے تھے۔ میرے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگ آج کے لوگوں سے زیادہ طاقت ور تھے اور اس کی وجہ اس تعلیمی مواد کا اختلاف ہے جو ان کے اور ہمارے مذاہب پر مشتمل ہے۔ جہاں ہمارا مذہب ہمیں سچائی کی تعلیم دیتا ہے اور زندگی گزارنے کے ایک اچھے طریقے سے آگاہ کرتا ہے وہاں اس کے اثرات میں یہ بھی شامل ہے کہ ہم اس دنیا کے اعزازات اور ملکیتوں کو کمتر سمجھنا شروع کر دیتے ہیں، جب کہ دوسرے مذاہب کے لوگ انہی چیزوں کو اعلیٰ ترمرتبہ دیتے ہیں، اور اس طرح ان کے کاموں میں قوت اور جوش وخروش کا عنصر نمایاں ہوجاتا ہے ...... علاوہ ازیں دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ہیرو اور معبود نہایت شان

شوکت کے حامل ہوتے ہیں، مثلاً فوجوں کے کمانڈر اور حکومتوں کے سربراہ، جب کہ ہمارے ہیرو عاجز، مسکین یا ایسے افراد ہوتے ہیں جو عملی آدمی نہیں ہوتے بلکہ غور و فکر کرنے والے ہوتے ہیں۔ پھر ہمارے مذہب میں سب سے سچی خوشی عاجزی اور مسکنت میں ہے اور دنیا کے بارے میں اس کا رویہ حقارت آمیز ہے، جبکہ دوسرے مذاہب میں سب سے بڑی اچھائی رُوح اور جسمانی طاقت کی شان و شوکت اور ان کو ممکن بنانے والی چیزوں میں سمجھی جاتی ہے۔ اگر ہمارا مذہب ہم سے رُوح کی حفاظت کا مطالبہ بھی کرتا ہے تو صرف اس لئے کہ یہ مزید دکھ اور تکالیف برداشت کرنے کے قابل ہو سکے نہ اس لئے کہ کوئی بڑے کارنامے انجام دے...... میرے خیال میں ان اصولوں نے لوگوں کو کمزور اور ضعیف بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظالموں اور بدکاروں کے سامنے یہ لوگ نہایت آسانی سے شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے افراد کے لئے لوگوں کو دبا کر رکھنا نہایت آسان ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ لوگوں کی ایک عظیم اکثریت بہشت کی امید میں ان کے لگائے ہوئے زخم برداشت تو کرے گی، مگر ان زخموں کا انتقام نہ لے سکے گی"۔

اٹلی اور جمہوریت

میکیاویلی کا خیال تھا کہ اٹلی کے حالات جمہوری حکومت کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ میکیاویلی اس صورت حال کا حل اسپین اور فرانس کی مثالوں میں تلاش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان ممالک کے استحکام کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہاں بادشاہت قائم ہے۔ میڈیسی خاندان سے میکیاویلی کی اپیل کی بنیاد یہی دلیل ہے۔ اپنی کتاب "بادشاہ" کے آخری حصے میں وہ کہتا ہے کہ اٹلی ایک ایسے مسیحا کی تلاش میں ہے جو اس کے تن مردہ میں ایک بار پھر زندگی کی روح پھونک دے۔ میڈیسی خاندان کو مطلق العنان بننے کی ترغیب دینے میں میکیاویلی کے ذاتی مفادات کو بھی دخل ہو سکتا ہے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود میکیاویلی کی اپیل میں کچھ اخلاقی عنصر بھی ہے۔ میکیاویلی اپنے مفادات میں بھی مخلص ہے کہ بادشاہ اس کے مجوزہ پروگرام پر عمل

درآمد کا آغاز کرے جو میکیاویلی کی رائے میں صرف میڈیسی خاندان ہی کے لئے نہیں بلکہ پورے اٹلی کے لئے بھی مفید ثابت ہوگا۔

DISCOURSES میں میکیاویلی کئی جگہ فردِ واحد کی حکومت کے نقائص بیان کرتا ہے اور اس رائے کا اظہار کرتا ہے کہ بادشاہ کے ذاتی مفادات عوام کے مفادات سے کبھی ہم آہنگ نہیں ہوسکتے اور یہ صورت حال ریاست کو ظلم و تشدد کی آماجگاہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اس کے خیال میں عوام کو مجبوری کے طور بادشاہت سے کوئی بڑا فائدہ نہیں پہنچتا سوائے اس بالواسطہ فائدے کے کہ ایک کامیاب بادشاہ امن و امان قائم رکھتا ہے اور اندرونی و بیرونی خطرات سے ملک کو محفوظ رکھتا ہے۔ لیکن ایسی حکومتوں میں عوام کو تحفظ اور آزادی کی وہ دولت نصیب نہیں ہوسکتی جو قدیم زمانے کے لوگوں کو حاصل تھی۔

جمہوریت پسندی کے باوجود میکیاویلی بادشاہت کے نتائج بد سے نہیں گھبراتا اور یہاں اس کی قنوطیت کی حد کو پہنچی ہوئی حقیقت پسندی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے — پسندیدہ نظام حکومت تو جمہوریت ہی ہے لیکن یہ نظام چونکہ ناقابلِ عمل ہے، اس لئے ہمیں اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیئے —— کیوں نہ ہم جیتنے والوں ہی کا ساتھ دیں!
یہاں سے سیاسیات کا علم، میکیاویلی کے لئے، اقتدار کو حاصل کرنے اور اسے برقرار رکھنے کا علم بن جاتا ہے اور ذاتی مفادات ہر چیز پر فوقیت حاصل کر لیتے ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کے بعد میکیاویلی کا تمام علمی کارنامہ "فنِ حکمرانی" کی ایک "ہینڈ بک" (HAND BOOK.) کی شکل میں سامنے آتا ہے جس میں "مقاصد" کی بحث کو غیر متعلق سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ میکیاویلی بڑی صاف گوئی سے اپنے اس رویئے کا اظہار کرتا ہے:

"جو شخص کسی ریاست کی حکومت میں اصلاح کا خواہش مند ہے اور ساتھ ہی یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس اصلاح کو قبول کرلیں اور اس پر مطمئن رہیں، تو اسے چاہیئے کہ اصلاحات کے باوجود پرانی روایات کی کچھ نشانیاں ضرور

باقی رکھے تاکہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہونے پائے کہ اداروں میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے اگرچہ نئے ادارے پرانے اداروں سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی ایک عظیم اکثریت ظاہری صورتوں کو ہی دیکھ کر مطمئن ہو جاتی ہے اور انہی کو حقیقت سمجھ لیتی ہے۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ میکیاویلی کو اس بحث کے دوران اس سوال سے کوئی واسطہ نہیں ہے کہ کون سا نظامِ حکومت قابلِ ترجیح ہے۔ وہ تو بس اس قدر بتاتا ہے کہ اگر آپ جمہوریت چاہتے ہیں تو آپ کو یہ اور یہ کام کرنے ہوں گے اور اگر آپ کی خواہش مطلق العنانیت کا قیام ہے تو آپ کو کچھ اور طریقے آزمانے ہوں گے۔ "بادشاہ" کے ایک بڑے حصّے میں اور DISCOURSES میں متعدد مقامات پر میکیاویلی کا سارا زورِ قلم اس بات پر ہی صرف ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے آپ کو برسرِ اقتدار کس طرح رکھ سکتا ہے۔ میکیاویلی کی یہ "فنی" بحث صرف ایک ہی سوال کے گرد گھومتی ہے (یعنی یہ کہ بادشاہ اپنے آپ کو کس طرح برسرِ اقتدار رکھ سکتا ہے)، اسی لئے میکیاویلی کو "ظالم بادشاہوں کا معلّم" کہا جانے لگا ہے۔ لیکن اس رائے میں اور اس نقطۂ نظر میں جو ہم اوپر پیش کر چکے ہیں یعنی یہ کہ موجودہ ناگفتہ بہ اور ابتر حالات میں لوگوں کی آزادیوں کے تحفّظ کے لئے ایک سخت ہاتھ کی ضرورت ہے، بہت فرق ہے۔ اس فرق کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے میکیاویلی کی ان تحریروں کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے جہاں وہ ظالم اور جابر بادشاہوں کی مذمّت کرتا ہے۔ مثلاً کسی ریاست میں حزبِ اختلاف کو دبانے کے فعل کو جواز دینے کے لئے جہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اقدام (ا) ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جو اپنی حاکمیت کو برقرار رکھنا چاہتا ہو اور (ب) یہ کہ یہ امر خود شہریوں کے مفاد میں بھی ہے، وہاں صرف اتنی بات بھی کہی جا سکتی ہے کہ بادشاہ اگر اپنا اقتدار برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے کسی قسم کی مخالفت برداشت نہیں کرنی چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پہلی صورت میں قوت کے استعمال کے لئے کم از کم کوئی اخلاقی جواز پیش کرنے کی تو ضرورت محسوس کی گئی ہے، خواہ اُس کے لئے دی جانے

والی دلیل کتنی غلط ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ دلیل اپنے اندر یہ مضمرات تو رکھتی ہے کہ بڑی اچھائی (امن وامان) کے لئے ایک حد تک برائی (مخالف اقلیت کو دبانے کا فعل) بھی جائز ہے دوسری صورت میں تو اخلاقی جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں قوت کے استعمال کا مشورہ تو دیا جاتا ہے لیکن اس کے لئے کوئی اخلاقی جواز پیش نہیں کیا جاتا ــــ صرف بادشاہ کے ذاتی مفادات کا ذکر کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ ایسا کرنا بادشاہ کے اپنے مفاد میں ہے۔

کچھ یہی دوہری کیفیت میکیاویلی کی "نیکی" کی تعریف میں بھی سامنے آتی ہے۔ اوپر ہم نے چند اقتباسات نقل کئے ہیں، جن میں میکیاویلی اپنے عہد کے لوگوں کی بداخلاقی اور قدماء کی نیکیوں کا ذکر کرتا ہے۔ یہاں نیکیوں سے اس کی مراد جرأت، دیانت داری قانون کی تعمیل اور اسی طرح کی دوسری اخلاقی صفات سے تھی، جنہیں عیسوی چرچ نے ختم کر دیا تھا اس کے علاوہ میکیاویلی کے پیش نظر وہ اخلاقی صفات بھی تھیں جو "الہیاتی نیکیاں" کہلاتی ہیں، یعنی ایمان، توکل، محبت وغیرہ،

دوسری طرف جب میکیاویلی اس نقطۂ نظر کا اظہار کرتا ہے کہ قوت بجائے خود ایک مقصد ہے تو اس کا نیکی کے بارے میں بھی تصور بدل جاتا ہے پھر وہ صفات نیکیوں میں شمار ہونے لگتی ہیں، جو بادشاہ کو اس مقصد کے حصول میں مدد دیں۔ مثلاً عیاری، فریب دہی، بے ایمانی، سنگدلی اور بے رحمی یہی وہ صفات ہیں جو بادشاہوں کو ان کے اقتدار کے برقرار رکھنے میں معاون ہوتی ہیں۔

نیکی کے اس تصور کا ماخذ یونانی فکر میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ افلاطون اور ارسطو کی نظر میں ہر چیز کی نیکی اس کی بنائے افضیلت میں ہے بالفاظ دیگر اس کام میں ہے جو مذکورہ چیز بہتر طور پر انجام دینے کی صلاحیت رکھتی ہے یعنی کوئی چیز نیکی کی حامل اس وقت کہلائے گی جب وہ اپنا وظیفہ اصلی انجام دے رہی ہو۔ مثلاً ایک کلہاڑا اس وقت نیکی کا حامل سمجھا جائے گا جب اس سے درخت کاٹنے کا کام لیا جا رہا ہو کیونکہ اس کی ساخت اسی کام کے لئے موزوں اور مخصوص ہے اور یہ کلہاڑا اس وقت بدی

کا حامل سمجھا جانا چاہیئے جب اسے گڑھا کھودنے کے کام میں استعمال کیا جائے کیونکہ کلہاڑا یہ کام بڑے انداز میں انجام دے گا۔ افلاطون اور ارسطو انسان کا بنیادی وظیفہ عقل کو سمجھتے ہیں اور پھر اس کے مطابق نیکیوں کی ایک فہرست مقرر کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نیکیوں کی حامل زندگی وہ ہے جس میں انسان اپنی استعدادِ عقلی کو دوسری کم تر استعدادوں کو نظم و ضبط میں لانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ لیکن "جمہوریہ" میں سوفسطائیوں کا نمائندہ تھریسی ماچس ایک دوسرے ہی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ اس کے نزدیک انسانی زندگی کا مقصد یا وظیفہ کسی بھی دوسرے حیوان سے مختلف نہیں ہے اور دوسرے حیوانات کی طرح اس کا مقصد بھی محض مسرت اور لذّت کا حصول ہے۔ پس تھریسی ماچس کے نزدیک ان افعال کو نیک کہا جانا چاہیئے جو اس مسرت اور لذّت کے حصول میں مدد دیں اور چونکہ اس کے لئے دوسروں پر بھی غلبہ پانا ضروری ہے اس لئے عیاری اور فریب دہی وغیرہ، جیسا کہ میکیاویلی کے یہاں ہم دیکھ چکے ہیں، اس کے ہاں بھی نیکیوں ہی میں شمار ہوئی ہیں۔ انیسویں صدی میں نطشے بھی انہی نتائج تک پہنچا اس نے ڈارون کے اس نظریے کو اختیار کیا کہ زندگی بقائے اصلح SURVIVAL OF THE FITTEST کی کشمکش سے عبارت ہے، جیسا کہ میکیاویلی بھی اس سے قبل اس خیال کا اظہار کر چکا تھا کہ زندگی مختلف قوتوں کے مسلسل تصادم کا نام ہے۔ عالمگیر پیمانے پر ہونے والے اس مقابلے میں اگر ہمارا مقصد کامیابی حاصل کرنا ہے اور اگر یہ کامیابی دوسروں سے لڑکر اور ان سے آگے بڑھ کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے تو فریب دہی، عیاری اور سنگدلی یقیناً نیکیوں میں شمار ہونی چاہئیں۔ اگر ایک بادشاہ اپنی پوزیشن برقرار رکھنا چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ یہ مقصد وعدے پورے کرکے، معاہدوں کا احترام کرکے اور سچ بول کر تو پورا کرنے سے رہا۔ پس جھوٹ بولنا، غدّاری اور بددیانتی سب کی سب نیکیاں ہیں۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ کے لئے بہتر بات کونسی ہے ــــ لوگ اس سے محبّت زیادہ کرتے ہوں یا اس سے ڈرتے زیادہ ہوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ

لوگوں کے دلوں میں بادشاہ کا خوف ہونا بھی ضروری ہے اور اس کے لئے محبت کا ہونا بھی ضروری ہے لیکن دونوں کا یک جا ہونا چونکہ مشکل ہے اس لئے زیادہ محفوظ صورت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں بادشاہ کا خوف زیادہ ہو اور محبت کم، کیونکہ انسان کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ عموماً ناشکر گذار، مکّار اور حیلہ جُو ہوتے ہیں، خطروں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور فوائد کے متمنی رہتے ہیں۔ جب تک آپ انہیں فائدہ پہنچاتے رہیں گے وہ آپ کے ساتھ ہیں، وہ اپنا خون، اپنا مال اپنی جان، حتیٰ کہ اپنی اولاد تک بھی آپ کے حوالے کردیں گے۔۔۔۔ لیکن جب ضرورت باقی نہ رہے گی تو وہ بغاوت پر آمادہ ہوجائیں گے۔ اگر کسی بادشاہ نے صرف لوگوں کی باتوں پر اعتبار کرلیا اور کوئی تیاری نہ کی تو اس کی تباہی یقینی ہے۔ کیونکہ جو دوستی شان وشوکت کی بناء پر حاصل کی جانے کی بجائے محض خریدی جاتی ہے وہ بس خریدی ہوئی ایک شئے ہے جس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی آڑے وقت میں وہ کام آسکتی ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے اسے تکلیف پہنچانے میں اتنی جھجک محسوس نہیں کرتا جتنی اس شخص کو نقصان پہنچانے میں محسوس کرتا ہے جس سے وہ خوف کھاتا ہے کیونکہ محبت تو چند اخلاقی ذمہ داریوں کا نام ہے جنہیں آدمی اپنی خودغرضی کی بناء پر جب چاہے گا، توڑ ڈالے گا برعکس اس کے خوف کا اثر لوگوں کے دلوں میں مستقل رہنے والا ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد سزا کی دہشت پر ہے۔"

"بلاشُبہ بادشاہوں کے لئے یہ بات بے حد قابل تعریف ہے کہ وہ لوگوں پہ اعتبار کرنے والے ہوں، دیانت دار ہوں اور عیّار نہ ہوں۔۔۔۔ اس کے باوجود ہمارے دور کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انہی بادشاہوں نے بڑے کارنامے انجام دیئے ہیں، جو لوگوں پر اعتبار ذرا کم ہی کیا کرتے تھے بلکہ اپنی مکّاری اور عیّاری سے خود لوگوں کے ذہنوں میں اُلجھنیں پیدا کرنے کا موجب بنتے تھے اور ان لوگوں پر غالب آتے تھے جو وفاداری کو بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ پس آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ لڑنے کے دو طریقے ہیں ایک طریقہ ہے قانون کی مدد سے لڑنے کا اور دوسرا طاقت کی مدد سے۔ پہلا طریقہ

انسانوں کا ہے اور دوسرا جانوروں کا۔ اب چونکہ پہلا طریقہ اکثر و بیشتر ناکافی ثابت ہوتا ہے اس لئے ہمیں دوسرے طریقے کے استعمال کے لئے بھی ہر وقت تیار رہنا چاہیئے یعنی بادشاہ کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ آدمی اور جانور دونوں کو کب اور کیسے استعمال میں لائے"۔

"اب جب کہ بادشاہوں نے جانوروں کی طرح کام کرنا طے کر لیا ہے تو اسے جانوروں میں لومڑی اور شیر دونوں کی نقل کرنی ہوگی کیونکہ جہاں شیر دشمنوں کے بچھائے ہوئے جال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا وہاں لومڑی بھی بھیڑیوں سے اپنے آپ کو بچانے کے قابل نہیں ہوتی۔ پس بادشاہ کو جہاں ایک طرف لومڑی کی طرح ہونا چاہیئے تاکہ وہ دشمنوں کے بچھائے ہوئے جال کو پہچان سکے وہاں اس کے لئے شیر کی خاصیت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے تاکہ وہ بھیڑیوں کا مقابلہ کر سکے۔ جو لوگ صرف شیر ہونا پسند کرتے ہیں، وہ اس رمز سے آگاہ معلوم نہیں ہوتے! پس ایک ہوشیار بادشاہ کو لوگوں پر اس وقت ہرگز اعتبار نہ کرنا چاہیئے جبکہ ایسا کرنا اس کے مفادات کے خلاف پڑتا ہو اور جب وہ سبب موجود نہ رہا ہو جس کی بناء پر وہ لوگوں پر اعتبار کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ اگر لوگ سب کے سب اچھے اور نیک ہوتے تو بلاشبہ یہ اصول صحیح نہ ہوتا لیکن اکثر و بیشتر لوگ چونکہ بُرے ہوتے ہیں اور آپ پر ان کا اعتماد کوئی مستقل چیز نہیں ہے اس لئے آپ کے لئے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ ان پر اعتماد کریں...... اس لئے موجودہ وقت میں بھی مثالوں کی کمی نہیں ہر شخص اس طرح کی مثالوں سے آگاہ ہے کہ بادشاہوں نے بے وفائی کا مظاہرہ کر کے امن کے معاہدے توڑے اور وعدوں کو پس پشت ڈالا۔ گویا جو بھی جتنے اچھے طریقے سے لومڑی کی مثال پر عمل کر سکا، اتنا ہی کامیاب ثابت ہوا۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ بادشاہ اپنے کردار کے اس پہلو کو لوگوں کی نظروں سے اوجھل رکھے اور ایک کامیاب جعل ساز اور منافق بھی ہو۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگ اس قدر سادہ اور موجودہ صورتِ حال کی تعمیل کرنے والے ہوتے ہیں کہ ایک فریب دینے والے

کو فریب کھانے والوں کی کبھی بھی کمی محسوس نہیں ہو گی۔"

حکمرانی کا فن

اب تک تو ہم ان صفات کا جائزہ لیتے رہے ہیں جو میکیاویلی کے نزدیک بادشاہوں کے اخلاقی ضابطے کا اہم حصّہ ہونی چاہئیں

میکیاویلی کے ان نظریات کا اصل ماخذ وہی ہے جو ہابس کا ہے۔ دونوں انسانی فطرت کے تاریک پہلو پر نظر رکھتے ہیں، لیکن جہاں ہابس مجرّد تعمیم کی سطح سے آگے نہیں بڑھتا اور اس ابتدائی مفروضے سے اقتدارِ اعلیٰ کی صفات اخذ کرنے لگتا ہے، وہاں میکیاویلی ان نظری بحثوں میں الجھنا پسند نہیں کرتا۔ وہ اس ابتدائی مفروضے کے فوراً بعد یہ دکھانے کے لئے کہ مقتدرِ اعلیٰ کے لئے انسانی فطرت کے اس علم سے فائدہ اٹھاکر، ان مختلف قوتوں کے حصول کی عملی ترکیب کیا ہے، مخصوص واقعات اور مثالوں کو سامنے لاتا ہے۔ برعکس اس کے ہابس یہ قوتیں مقتدرِ اعلیٰ کو محض تفویض کر دینے سے آگے نہیں بڑھتا۔

میکیاویلی مطلق العنان بادشاہوں کے لئے جو لائحہ عمل تجویز کرتا ہے وہ بڑی ہوشیاری سے مرتب کیا گیا ہے۔

۱۔ طاقت کا استعمال

میکیاویلی کی نظر میں یہ اصول بڑی اہمیت رکھتا ہے اس کا خیال ہے کہ نئی بادشاہتوں میں اس کا استعمال زیادہ ضروری ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ (ایسے شہروں) پر قبضہ برقرار رکھنے کے لئے اس سے زیادہ یقینی طریقہ اور کوئی نہیں ہے کہ انہیں غارت کر دیا جائے۔ جو بادشاہ ایک آزاد ریاست کا حکمران بنتا ہے اور اسے غارت نہیں کرتا، دراصل خود اپنی غارت گری کو دعوت دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی ریاست میں آزادی اور قدیم روایات کا نام لے کر کسی وقت بھی بادشاہ کے خلاف بغاوت کی جاسکتی ہے اور یہ دو چیزیں ایسی ہیں جن کی یاد وہاں کے شہریوں کے دلوں سے نہ تو وقت کے گزرنے سے مٹ سکتی ہے اور نہ

ہی کسی فائدے کے لالچ میں آکر وہ انہیں بھول سکتے ہیں۔ ...... یہ بات خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے کہ جب کسی بادشاہ کا کسی نئی ریاست پر قبضہ ہوجائے تو وہ اپنے تمام تر مظالم کا مظاہرہ شروع میں ایک بار ہی کردے تاکہ ہر روز ان مظالم کو دہرانے کی ضرورت نہ پڑے اور خود بادشاہ بھی اس قابل ہوسکے کہ اس مظاہرے کے بعد لوگوں کو اپنے ساتھ ملا سکے اور ان کو کچھ فوائد پہنچا کر ان کو جیت سکے۔ جو بادشاہ اپنی بزدلی یا کسی کے غلط مشورے کی وجہ سے، اس کے برعکس عمل کرتا ہے اسے ہر وقت خنجر بدست رہنا ہوگا وہ کبھی اپنی رعایا پر اعتماد نہیں کرسکتا کیونکہ رعایا ہر روز نئے زخم کھاکر اس کی وفادار کیسے رہ سکتی ہے۔ سارے زخم ایک ہی بار لگا دینے چاہئیں۔ بار بار زخم لگانے کی نسبت ایک ہی بار بہت زخم لگا دینے سے تکلیف نسبتاً کم ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے اگر رعایا کو فوائد پہنچا پہنچانے مقصود ہوں تو وہ بتدریج اور ایک ایک کرکے پہنچائے جائیں تاکہ لوگ ان سے زیادہ سے زیادہ لطف لے سکیں اور مستفید ہوں۔"

۲۔ ترغیب

تاہم ایک دانا بادشاہ اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لئے صرف طاقت کے استعمال پر ہی انحصار نہیں کرتا۔ طویل مدت کی حکمت عملی کی حیثیت سے طاقت ایک انتہائی مہنگا اور ناکافی آلۂ حکومت ہے ..... لوگوں کو پُرامن رکھنے اور انہیں زبردستی خاموش کرنے کے لئے ــــ انہیں کوئی حقیقی اور بامعنی رعایتیں دیئے بغیر ــــ اور بھی کئی طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ 'پروپیگنڈہ' ان میں سے اہم ترین ہتھیار ہے اور پروپیگنڈہ میں بھی اہم چیز وہ ہے جسے آج ہم "مذہب" کہتے ہیں۔ میکیاویلی یہاں رومن بادشاہوں کی مثال دیتا ہے جنہوں نے ملک میں سیاسی وحدت برقرار رکھنے کے لئے اور لوگوں میں قانون کی پابندی اور حکومت کی وفاداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے نہایت کامیابی سے ان کے مذہبی جذبات کو استعمال کیا۔ میکیاویلی کے نزدیک یہ سوال غیر ضروری ہے کہ کوئی مذہب سچا بھی ہے یا نہیں،

وہ بادشاہ سے یہ مطالبہ بھی نہیں کرتا کہ وہ خود بھی کسی مذہب پر ایمان رکھتا ہو اس کے نزدیک مذہب کی افادیت یہی ہے کہ بادشاہ لوگوں کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھا کر انہیں اپنی اطاعت کی ترغیب دے۔ مذہب چونکہ لوگوں کو مطیع، فرماں بردار اور قانون واخلاق کا پابند بناتا ہے اور ان کو متحد رکھتا ہے، اس لئے اچھا ہے۔ اور بادشاہ کو اس سے حسبِ ضرورت استفادہ کرتے رہنا چاہیئے۔

۳۔ فوری اقدام میکیاویلی کے نزدیک کسی بادشاہ کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی کام کے کرنے میں تامل کرے اور فوری قدم نہ اٹھا سکے۔ یہ اس سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ چند غلطیوں کے ساتھ کام جلدی ہو اور فیصلہ کن انداز میں کر دیا جائے بہ نسبت اس کے کہ بے یقینی، گومگو اور سوچ بچار میں وقت ضائع کر کے دوسروں کو پہل کرنے کا موقعہ دے دیا جائے۔

۴۔ مضبوط قومی فوج ظاہر ہے کہ بادشاہ کسی مضبوط فوج کے بغیر کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کر سکتا۔ میکیاویلی کے نزدیک فوج باقاعدہ طور پر منظم کی جانی چاہیئے اور اسے شہریوں پر مشتمل ہونا چاہیئے نہ کہ کرائے کے سپاہیوں پر، جو دوستوں کے لئے بہادر اور دشمنوں کے لئے بزدل ثابت ہوتے ہیں،

"جب تک آپ جنگ نہیں کرتے، یہ لوگ آپ کے دوست ہیں جب جنگ چھڑتی ہے تو یہ لوگ بھاگ جاتے ہیں اور منتشر ہو جاتے ہیں"

میکیاویلی اور ہم

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ میکیاویلی اپنے عہد کا بہترین نمائندہ تھا۔ اس کی ٹھنڈی، اور محتاط قنوطیت، اس کی بے باک اور واضح فطرت پرستی، اس کی شدید انفرادیت پسندی اور نتائجیت، قدیم زمانے کے لئے اس کا اظہار پسندیدگی اس کا مذہب اور مافوق الفطرت تصوّرات کو مسترد کر کے اس دُنیا کی موجود ہستی حقیقتوں اور لذّتیت پر مبنی نظریۂ اخلاق کو قبول کرنا ـــ ان سب باتوں میں وہ

رینے ساں کی نمائندگی کر رہا ہے ـــــ اور بڑی حد تک جدید دور کی بھی!

یہ ساری باتیں، ظاہر ہے کہ فکری تاریخ اور ثقافتی مطالعہ کے لئے ناگزیر ہیں، لیکن ان سے یہ نہیں معلوم ہو پاتا کہ نظریۂ سیاسی کی کتابوں میں میکیاویلی پر ایک باب کیوں شامل ہوتا ہے یا زیادہ واضح الفاظ میں یہ کہ، جدید نظریۂ سیاسی کا مطالعہ میکیاویلی سے کیوں شروع ہوتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ میکیاویلی صحیح معنوں میں سیاسی فلاسفر نہ ہوتے ہوئے بھی، جدید نظریۂ سیاسی کا بانی ہے۔ میکیاویلی وہ پہلا شخص تھا جو نہایت فیصلہ کُن انداز میں سیاسی مسائل پر کیتھولک قرونِ وسطیٰ سے قطع تعلق کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ریاست ایک فطری اکائی ہے جو فطری قوتوں کے تعامل سے پیدا ہوتی ہے اور ان کے درمیان برقرار رہتی ہے۔ اب اگر کسی حکمران کو اس کشمکش اور سنگدلانہ مقابلے میں اپنا اور اپنی سیاسی ریاست کا وجود برقرار رکھنا ہے تو اسے اس ساری صورت حال کا فہم حاصل کرنا ہوگا اور اس سے فائدہ اٹھانا ہوگا یہاں میکیاویلی دراصل مارکس اور بعد میں آنیوالے ان مفکرین کے نظریات کے لئے بنیادیں فراہم کر رہا ہے جو سیاست کو مختلف قوتوں کے تصادم اور اس تصادم کو کنٹرول کرنے کے طریقوں کا مطالعہ قرار دیتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ میکیاویلی اور بعد میں آنے والے ان مفکرین میں بہت سے اختلافات بھی ہیں۔ مثلاً میکیاویلی کو ان معاشی عوامل کا کوئی شعور نہ تھا جو مارکس کے نزدیک تمام سیاسی معاشرتی اور فکری تبدیلیوں کا بنیادی محرک ہیں لیکن میکیاویلی اور مارکس دونوں اس بات پر ضرور متفق ہیں کہ خدا کے بنائے ہوئے کسی ایسے منصوبے کا وجود ہرگز نہیں ہے۔ جس کے ساتھ انسان اور کائنات کی مطابقت ضروری ہو۔ یہ بات میکیاویلی کی ان بحثوں میں زیادہ واضح طور پر سامنے آتی ہے جہاں وہ اشیاء کی تغیّر پذیری کا ذکر کرتا ہے اور انسانی زندگی میں "بخت و اتفاق" کی کارفرمائی پر زور دیتا ہے ـــ یہ بھی دراصل میکیاویلی کا ایک انداز ہے الوہی منصوبے کی تردید کرنے کا اور اس بات کو ثابت کرنے کا کہ کائنات میں ایک خیر و شر سے بے تعلق، غیر انسانی علیّت کارفرما ہے

اس کے خیال میں "یہ ایک ناقابل تردید اور تاریخی حیثیت سے ثابت شدہ حقیقت ہے کہ انسان بخت واتفاق کی محض تائید تو کر سکتے ہیں، لیکن اس سے ٹکر نہیں لے سکتے، انسان اس کے منصوبوں کی تکمیل تو کر سکتے ہیں، انھیں شکست نہیں دے سکتے۔"

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے تمام تر اختلافات کے باوجود دونوں کے نقطۂ نظر میں بنیادی موافقت موجود ہے۔ میکیاویلی کا اپنی بصیرت کی بنا پر یہ کہنا کہ ریاست کو صرف انسانی خواہشات کے حوالے سے ہی سمجھا جا سکتا ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کا یہ نظریہ کہ ایک کامیاب حکمران کے لئے ان خواہشات کو کنٹرول کرنے کا ڈھنگ سیکھنا ضروری ہے، سیاسی فکر میں ایک نئے موڑ کا آغاز اور جدید فکر کی ترقی کی اصل بنیاد ہے۔

میکیاویلی اگرچہ اس موضوع پر کہیں بھی وضاحت سے سامنے نہیں آتا، لیکن یہ بات صاف ہے کہ وہ اقتدارِ اعلیٰ کے تصور اور اس سے متعلقہ قومی، جغرافیائی ریاست کے تصور کی تلاش میں سرگرداں وہ ریاست کے جاگیردارانہ تصور کو بالکلیہ مسترد کر دیتا ہے جس میں ریاست چھوٹی چھوٹی کئی نیم خود مختار جاگیروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ میکیاویلی اس کی جگہ مرکزی اقتدار کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس مرکزی اقتدار کا دائرۂ اختیار اس کی جغرافیائی حدود میں موجود ہر ادارے پر محیط ہے۔ میکیاویلی کے بعد آنے والے تمام مفکرین کے ہاں یہ تصور کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ بودآں اور ہابس، جیسا کہ ہم دیکھیں گے، بنیادی طور پر اقتدارِ اعلیٰ کی تعریف متعین کرنے کا کام کرتے ہیں۔ اور لاک اور اس کے بعد آنے والے مفکرین ان مسائل کو زیرِ بحث لاتے ہیں جو محولہ بالا تعریف کے تعین سے پیدا ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید سیاسیات کا مسئلہ ہی اقتدارِ اعلیٰ کا مسئلہ ہے۔ قدیم نظریہ سیاسی اور جدید نظریہ سیاسی کو الگ کرنے والا کوئی واحد تصور ہے تو یہی اقتدارِ اعلیٰ کا تصور ہے جو ایک طرف انتہائی ترقی یافتہ، جدید صنعتی اور سرمایہ دارانہ معاشرے کا بہترین سیاسی پیرایۂ اظہار ہے اور

دوسری طرف اس معاشرے کی بنائے وجود بھی ہے۔

نظریۂ سیاسی کی تاریخ میں میکیاویلی کی اہمیت ایک اور سبب سے بھی ہے۔ میکیاویلی پہلا شخص تھا جس نے POWER - POLITICS کو نہایت واضح طور پر پیش کیا۔ آج سے کوئی سو سال قبل لارڈ گرے نے کہا تھا کہ بڑی ریاستوں کی سیاست کبھی سیاسی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھ سکتی حقیقت یہ ہے کہ لارڈ گرے نے سیاست دانوں کے عمل کے لحاظ سے کوئی انوکھی بات نہیں کہی۔ بس اتنا ہے کہ اس نے دوسروں کی نسبت بات ذرا کھل کر کہہ دی ہے۔ ایک فرد کا دوسرے فرد سے تعلق اخلاق پر کیسا ہی مبنی کیوں نہ ہو (اور لارڈ گرے کے دل میں ان اصولوں کی قدر و قیمت کسی سے کم نہیں ہے) لیکن اس بات کی تردید ممکن نہیں کہ ریاستوں کے آپس میں تعلقات میکیاویلی کے بتائے ہوئے طریقوں پر ہی طے پاتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ حقیقت پسندی کا یہ تقاضا ہرگز نہیں ہے کہ ہم بھی میکیاویلی کی طرح قنوطیت پسند ہو جائیں۔ ہوسکتا ہے کہ دنیا جس شکل میں موجود ہے، اس شکل میں ہمیں پسند نہ ہو لیکن اس کی خرابیوں سے آنکھیں بند کر لینے سے تو اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی!

(ماخوذ از JONES W. T.)

لمحات (عربی)

شاہ ولی اللہؒ کی حکمتِ الٰہی کی یہ بنیادی کتاب ہے۔ اس میں وجود سے کائنات کے ظہور تنزلی اور تجلّیات پر بحث ہے۔ یہ کتاب عرصہ سے ناپید تھی۔

مولانا غلام مصطفٰی قاسمی نے ایک قلمی نسخے کی تصحیح اور تشریحی حواشی اور مقدمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔

قیمت:۔ دو روپے